Majeed Amja ki Nazm Nigari by Dr. Shah Alam, URJ Issue 5th, April-June 2015, Page No. 72-76

مجید امجد کی نظم نگاری

ڈاکٹر شاہ عالم
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، ذاکر حسین کالج، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

مجید امجد اختر الایمان کے اہم معاصرین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جدید نظم نگار شعرا میں ان کا قد خاصا بلند ہے۔ مجید امجد نے غزلیں بھی کہیں اور نظمیں بھی، لیکن وہ بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں اور انہیں شہرت دوام نظم ہی سے حاصل ہوئی۔ ان کی نظموں میں بڑا تنوع اور رنگارنگی ہے۔ ان کی نظمیں موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ مجید امجد کی شاعری کے موضوعات زندگی کی عمومی سطح سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں خارجی زندگی کے بہت چھوٹے چھوٹے اور بظاہر غیر اہم موضوعات بھی ہیں اور اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل بھی۔ مجید امجد نے راپنی شاعری کے لیے خام مواد اپنے گرد و پیش کی زندگی سے اخذ کیا۔ مجید امجد کے یہاں اقبال کی طرح فلسفیانہ فکر یا دوسرے ترقی پسند تحریک سے وابستہ شاعروں کی طرح کسی نظریے یا نظام حیات کی گونج نہیں بلکہ مجموعی زندگی جس آشوب میں مبتلا ہے، اور انسان عذاب کی جن راہوں سے گذر رہا ہے اسکا اظہار ان کی شاعری میں نمایاں ہے۔ ایک متوسط طبقے کے شہری کے مسائل اور اس کے المیے کو نہایت خوبصورتی سے اپنی نظموں میں پیش کیا ہے۔

مجید امجد کسی تحریک سے وابستہ نہیں تھے اس لیے ان کے یہاں زندگی کے تمام مسائل در آئے۔ ان کے یہاں زندگی سے وابستہ کوئی بھی مسئلہ ان کی شاعری کا موضوع بن جاتا ہے۔ ایک حساس شاعر کی طرح انھوں نے زندگی کے مختلف سطحوں پر پیدا شدہ انتشار کو محسوس کیا اپنے عہد کے حالات و وقعات پر گہری نظر اور ان سے متاثر ہونے سے سیاسی سماجی اقتصادی مسائل کا در آنا فطری تھا۔ لیکن ان کا انداز بیان ان شعرا سے مختلف ہے جو کسی نظریے کی ترجمانی یا کسی خاص نظام زندگی کا پرچم اٹھائے نظر آتے ہیں۔ مجید امجد کے یہاں کسی مسائل سے چشم پوشی نہیں ملتی بلکہ انھوں نے اپنے حواس کو کھلا رکھا اور زندگی کے مسائل سے آگہی حاصل کی۔

بہ قول وزیر آغا:

"... شاعر کسی ایک نقطۂ نظر کا رسیا نہیں بلکہ زندگی کے تمام تر مظاہرات کا ایک زیرک ناظر ہے اس کی نظر اس قدر وسیع اور اس کا دل اس قدر کشادہ ہے کہ اسے بیشتر نظریے وقت کے لامحدود پھیلاؤ میں لایعنی اور بے مصرف دکھائی دیتے... ایسا شخص زمان و مکان کی حدوں میں جکڑے ہوئے کسی ایک نقطۂ نظر کا کس طرح پابند ہوسکتا ہے؟ اس لیے مجید امجد کی نظموں میں موضوعات کا تنوع ہے نظریوں کی آمیزش اور ہم آہنگی ہے اور وہ احساسی ردعمل بھی جس کے ڈاندے ایک طرف خارجی زندگی کی وسعتوں سے ملتے ہیں اور دوسری طرف دل کی گہرائیوں سے۔ خود شاعر وسعت اور گہرائی کے اس سنگم پر کھڑا کائنات کی نیرنگیوں کو دیکھتا ہے اور پھر فن کے سانچے میں ڈھال کرانہیں دنیا کے حوالے کر دیتا ہے" ۱

چند مثالیں ملاحظہ کیجیے جس میں سماجی اور معاشرتی سطح پر پیدا مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے:

تو اگر چاہے تو ان تلخ سیہ راہوں پر
جا بجا اتنی تڑپتی ہوئی دنیاؤں میں
اتنے غم بکھرے پڑے ہیں کہ جنہیں تیری حیات
قوت یک شب کے تقدس میں سمو سکتی ہے
کاش تو حیلۂ جاروب کے پر نوچ سکے
کاش تو نوچ سکے نوچ سکے
(جاروب کش)

سیل زماں کے ایک تھپیڑے کی دیر ہے
یہ ہات چھریوں بھرے مرجھائے ہات جو
سینوں میں اٹکے تیروں سے رستے لہو کے جام
بھر بھر کے دے رہے ہیں تمہارے غرور کو
یہ ہات گلبنِ غم ہستی کی ٹہنیاں

اے کاش انہیں بہار کا جھونکا نصیب ہو

(درسِ ایام)

مجید امجد کی متعدد نظموں میں اس نوع کے خیالات دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کی شاعری انسانی دردمندی اور خلوص و محبت کی آئینہ دار ہے۔ آدمی کی مظلومی پر شدید رنج کا اظہار جا بجا موجود ہے۔ عصری مسائل سے وابستگی اور ظلم و جبر کے شکار ہوئے لوگوں کے تئیں ہمدردی کسی سیاسی سماجی شاعر کے کم نہیں ہے۔ ان کی نظموں کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی شاعری کا سیاسی سماجی پہلو ان کی شاعری کا ایک اہم جز ہے۔ ابتدائی دور کی شاعری میں بھی اس احساس سے بھرپور نظمیں ہیں جہاں سیاسی سماجی نظام سے بے اطمینانی اور جذبۂ بغاوت بھی موجود ہے۔ شاعر حسن وشباب کی رنگینیوں میں غرق ہونے یا اس دنیا میں پناہ لینے کے بجائے انسانی مسائل سے خود کو وابستہ کرتا ہے۔ کچھ نظموں کو چھوڑ کر شاعری کی سطح بھی بلند ہے اور مجید امجد کا اپنا منفرد لب و لہجہ اور نکھرا ہوا روپ سامنے آ جاتا ہے۔ ''نژادِ نو'' کا یہ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

طویل تاریکیوں میں کھو جائیں گے جب ایک دن
ہمارے سامنے
اس اپنی دنیا کی لاش اٹھائے
تو سیلِ دوراں کی کوئی موجِ حیات ساماں
فروغِ فردا
کا رخ پہ ڈالے مہین پردا
اچھل کے شاید
سمیٹ لے زندگی کی سرحد
کے اس کنارے
پہ گھومتے عالموں کے دھارے
یہ سب بجا ہے بجا ہے... لیکن

(نژادِ نو)

اس طرح کے خیالات کی ترجمانی کرنے والی نظموں میں یہ نظم بہت بھرپور ہے۔ یہ نظم مجید امجد کے فکر و فن کی اچھی ترجمان ہے۔ مجید امجد اپنے گرد و پیش کے مسائل کے ساتھ ساتھ عالمی منظر نامے پر رونما ہونے والے واقعات و حادثات کو شدت سے محسوس کرتے ہیں دنیا کے کسی خطے میں ظلم و جبر کو انھوں نے انسانیت پر ہو رہے عذاب کی شکل میں محسوس کیا۔ انھوں نے اس مسئلے کو پوری انسانیت کے مسئلے کے طور پر دیکھا۔ انسانی وجود کا استحصال اور انسانیت کے زوال کا شدید احساس مختلف صورتوں میں ان کی نظموں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کا شعور انسان پر ہونے والے ظلم و جبر کو وسیع کینوس پر دیکھتا ہے:

نہ کوئی مشرق
نہ کوئی مغرب
مگر وہ اک زینۂ مراتب
جوان گنت بے زباں غلاموں کو ٹوٹتی پسلیوں
پہ کل بھی ہزار کف در دہاں خداؤں کے بوجھ سے کچکچا رہا تھا
وہ آج بھی اک وہی ترازو کہ جس میں زنجیر پوش
روحوں کے شعلہ اندام دست و بازو بہ مزد یک
اشک تل رہے ہیں
اگر یہی تھا نصیبِ دوراں... یہ نالہ غم... یہ اک مسلسل
خروشِ انبوہِ پابجولاں
ازل کی سرحد سے نسلِ آدم کی یہ کراہیں
جو روز و شب کے عمیق
سناٹوں سے پیہم ابھر رہی ہیں
نہ چشم و لب کے فسانہ ہائے سرشک و شیون
اگر مقدر یہی تھا، اپنا، تو یہ مقدر... یقین جانو... اٹل نہیں تھا۔

(مشرق و مغرب)

مجید امجد کے یہاں اس طرح کے موضوعات پر کئی بلند پایہ نظمیں موجود ہیں۔ سیاسی سماجی مسائل اور انسانی صورت حال سے بے اطمینانی کے شدید احساس کے ساتھ ان کے یہاں چھوٹے چھوٹے موضوعات پر بہت پراثر نظمیں موجود ہیں۔ مجید امجد جن گلی کوچوں، گھروں، بازاروں، پہاڑوں، میدانوں، اور فطرت کے مظاہرات کے درمیان سانس لیتے ہیں جن نوع کے انسانوں سے قرب حاصل ہوتا ہے اور جن چھوٹے چھوٹے زندگی کے مسائل سے دوچار ہوتے ہیں ان موضوعات کو بھی انھوں نے اپنی شاعری میں برتا ہے۔ بعض ایسے موضوعات پر بھی نظمیں دیکھنے کو ملتی ہیں جو بالکل عام سے موضوع پر ہوتی ہیں یا روزمرہ کی ایسی باتیں ہوتی ہیں جن میں بظاہر کوئی کشش نظر نہیں آتی لیکن حیرت انگیز طور پر انھوں نے ان موضوعات پر بڑی بلند پایہ نظمیں تخلیق کی ہیں۔ ان نظموں میں انھوں نے فکر انگیز پہلو تلاش کیے ہیں۔ پنواری، آٹو گراف، بس اسٹینڈ پر، کنواں، بن کی چڑیا وغیرہ نظمیں اس کی زندہ مثال ہیں۔ مجید امجد کی شاعری کے بارے میں ڈاکٹر وزیر آغا رقم طراز ہیں:

''مجید امجد کی نظموں میں قریبی اشیاء کے وجود کا گہرا

احساس ہوتا ہے۔ممٹیاں،کلس،گلیاں،بس اسٹینڈ، پان، چائے کی پیالی، دھوپ رچے کھلیان، آنگن، نالیاں اور اس طرح کی ان گنت دوسری اشیاء جو شاعر کے ماحول کا حصہ ہیں بڑی آہستگی سے اس کے کلام میں ابھرتی چلی آتی ہیں۔شاعر کا مشاہدہ بڑا گہرا ہے اور اس کی نظروں سے ماحول کا کوئی نوکیلا پہلو اوجھل نہیں۔تاہم مجید امجد کا یہ مشاہدہ محض خارجی ماحول کی تصویر کشی تک محدود نہیں۔یہ سارا ماحول اور اس کی اشیاء شاعر کے تجربے کی چکا چوند سے اکتساب نور بھی کرتی ہیں۔اور نتیجۃً ہانپتی، دھڑکتی اور مچلتی ہوئی نظر آتی ہیں'' ۲

مجید امجد کی نظموں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے واقعات یا اشیاء و مظاہرات کا بیان سرسری نہیں ہے۔بلکہ شاعر نے داخلی کیفیت کا خارجی مظاہرات سے گہرا ربط قائم کیا ہے۔اور یو ں خارجی چیزیں داخلی کیفیت سے مربوط ہو کر اس کی مکمل ترجمانی کرتی ہیں۔مجید امجد نے بڑی مہارت کے ساتھ اپنے احساسات وجذبات کو مظاہرات کے حوالے سے ظاہر کیا ہے۔پنواڑی، امروز، گاڑی میں، طلوع فرض، توسیع شہر، بھکارن، وغیرہ جیسی نظمیں شاعر کے داخلی کیفیت کی بھرپور ترجمانی کرتی ہیں۔توسیع شہر کا یہ حصہ ملاحظہ ہو:

جن کی سانس کا ہر جھونکا تھا ایک عجیب طلسم
قاتل تیشے چیر گئے ان ساونتوں کے جسم
گری دھڑام سے گھائل پیڑوں کی نیلی دیوار
کٹتے ہیکل جھڑتے پنجر، چھٹتے برگ وبار
سہمی دھوپ کے زرد کفن میں لاشوں کے انبار
آج کھڑا میں سوچتا ہوں اس گاتی نہر کے دوار
اس مقتل میں صرف اک میری سوچ لہکتی ڈال
مجھ پر بھی اب کاری ضرب اک، اے آدم کی آل
(توسیع شہر)

فطرت سے بے پناہ محبت بڑے شہروں کے فطرت پر پڑنے والے منفی اثرات کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔شاعر کے احساس کی سطح سے پوری نظم ہم آہنگ ہے۔ مجید امجد کی نظموں میں فطرت اور بالخصوص درختوں سے جذباتی لگاو کی صورت نمایا ہے۔درخت اور اس کی شاداب گھنی چھاؤں اس کے احساس کا ایک حصہ بن جاتی ہیں یا یوں کہا جائے کہ اشجار ایک زندہ وجود کی حیثیت رکھتے ہیں جو زندگی کے مختلف موڑ پر اس کا ساتھ دیتے ہیں:

تنگ پگڈنڈی، سرکہسار بل کھاتی ہوئی
نیچے دونوں سمت گہرے غار منہ کھولے ہوئے
آگے ڈھلوانوں کے پار اک تیز موڑ اور اس جگہ
اک فرشتے کی طرح نورانی پر تولے ہوئے
جھک پڑا ہے آکے رستے پر کوئی نخلِ بلند
تھام کر جس کو گزر جاتے ہیں آسانی کے سات
موڑ پر سے ڈگمگاتے رہروں کے قافلے
(ایک کوہستانی سفر کے دوران میں)

مجید امجد کی نظموں کے سرسری مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کے یہاں شجر دوست، محبوب، دست گیر، بھکاری وغیرہ کے طور پر موجود ہے عملی زندگی میں بھی مجید امجد اشیاء و مظاہرات سے بہت قربت رکھتے تھے۔

بقول باقر مہدی: ''ہماری نئی شاعری بڑے صنعتی شہروں کی شاعری ہے۔'' صنعتی شہروں کے وجود میں آنے سے جہاں ایک طرف روزگار کے مواقع فراہم ہوئے وہیں اس کے کچھ تاریک پہلو بھی ہیں۔چھوٹی جگہوں کے لوگ کام کی تلاش میں بڑے شہروں کا رخ کرنے لگے۔صنعتی انقلاب کا انسانی رشتوں پر گہرا اثر مرتب ہوا۔گھر اور خاندان ٹوٹنے لگے۔سیدھی سادی زندگی پیچیدہ ہوگئی۔ایک طرف اس کی زمین چھوٹ گئی دوسری طرف بھیڑ بڑے شہروں میں اس کو سانس لینا دوبھر ہوگیا۔دلفریب اور پرخلوص فضا چھوڑ کر وہ بھاگ دوڑ اور گھٹن والی دنیا میں آ پہنچا۔گھر اور دفتر کی بھاگ دوڑ اتنی بڑھ گئی کہ اسے نظر اٹھا کر دلفریب مناظر کو دیکھنے کی فرصت نہیں۔اس کی بے انتہا مصروفیت نے اسے اپنوں سے الگ کر دیا۔مشینی دور میں انسان کی بے پناہ مصروفیت اور شہری زندگی کے المیے کو مجید امجد نے اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔اپنی نظم ''بھکارن'' میں انسان کی بے انتہا مصروفیت کو بڑے انوکھے ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔نظم کا یہ حصہ دیکھئے:

سرخ پھولوں سے اک لدی ٹہنی
آن کر بجھ گئی ہے راستے پر
کنکروں پر جبیں رگڑتی ہے
راہگیروں کے پاؤں پڑتی ہے
میں کہاں روز روز آتی ہوں
ہے مرے کوچ کی گھڑی نزدیک
جانے والو، بس اک نگاہ کی بھیک
(بھکارن)

بڑے شہروں نے لوگوں کو بے چہرگی دی ہے۔بھیڑ بھرے شہر

میں اس کی شناخت اوراس کا وجود کھو گیا ہے۔تنہائی بے اطمینانی عدیم الفرصتی الغرض جسمانی آشائشوں کے حاصل ہونے کے بعد بھی اس کی روح تشنہ ہے۔وہ جس مقام پرآ پہنچا ہے وہاں تنہائی، بے اطمینانی،اورروح کی تشنگی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ایک متوسط طبقے کےنوجوان کے لیے یہ شہر مقتل گاہ بن جا تاہے، صبح سے شام تک جدوجہد میں مبتلا رہنے کے بعد بھی ناآسودگی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔وہ یہاں کی زندگی اور ماحول سے توازن قائم نہیں کر پاتا۔ نتیجتاً وہ مسلسل کشمکش میں مبتلا رہتا ہے۔اس کی محرومی اور ناسودگی ہر لمحہ اس کا تعاقب کرتی ہے۔آٹوگراف میں ایک ایسے ہی نوجوان کی محرومیوں کا اظہار ملتا ہے جو کھیل کے میدان میں بھی اس سے دامن نہیں چھڑا پاتا:

وہ بولر ایک مہوشوں کے جمگھٹے میں گھر گیا
وہ صفحۂ بیاض پر
بصد غرورکلک گوہریں پھری
حسین کھلکھلاہٹوں کے درمیان۔وکٹ گری!
میں اجنبی میں بےنشاں
میں پابہ گل
نہ رفعت مقام ہے نہ شہرت دوام ہے
یہ لوح دل، یہ لوح دل
نہ اس پہ کوئی نقش ہے نہ اس پہ کوئی نام ہے
(آٹوگراف)

مجید امجد کی دوسری اور نظموں میں صنعتی شہروں کی زندگی،سماج اور فطرت پر پڑنے والے اثرات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

مجید امجد کے یہاں وقت کا ایک واضح تصور قائم ہے،وقت کی بے کرانی بالادستی اوراس کے تیزی سے گزرنے کا احساس بہت شدید ہے۔وہ اس بات کے قائل تھے کہ وقت کی کوئی حد نہیں وہ عدم سے ازل اور ازل سے عدم تک پھیلا ہوا ہے۔وقت کا دھارا مسلسل بہتا رہتا ہے اس میں کسی لمحہ ٹھراؤ نہیں مستقبل بڑی تیزی سے ماضی بن جاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان حال لمحۂ غنیمت ہے جو ابھی ہے اور ابھی نہیں ہے۔اس لیے مجید امجد کے یہاں حال سے بے پناہ لگاؤ اوراسے لمحۂ غنیمت سمجھ کراپنی گرفت میں لینے کا رجحان ملتا ہے۔حال مستقبل اور ماضی کا سنگم ہے۔اس سنگم پر کھڑے ہوکر شاعر ماضی کا احساس بھی زندہ رکھتا ہے اور مستقبل پر نظر بھی رکھتا ہے۔مجید امجد کی نظموں میں ماضی حال اور مستقبل تینوں کا احساس قائم ہے۔لیکن ان کی سب سے زیادہ توجہ حال پر رہتی ہے لیکن حال بڑی تیزی سے ماضی میں مدغم ہو جاتا ہے۔وقت کے گذرنے کا شدید احساس ان کی متعدد نظموں میں موجود ہے'کنواں' ان کی علامتی نظم ہے جس میں وقت کی بالادستی اوراس کے تسلسل کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔نظم کا یہ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

اوراک نغمۂ سرمدی کان میں آرہا ہے مسلسل کنواں چل رہا ہے
پیالے مگر زم رواس کی رفتار پیہم مگر بےتکان اس کی گردش
عدم سے ازل تک ازل سے ابد تک بدلتی نہیں ایک آن اس کی
گردش
نہ جانے لیے اپنے دولاب کی آستینوں میں کتنے جہاں اس کی
گردش
رواں ہے،رواں ہے
طپاں ہے،طپاں ہے
یہ چکر یوں ہی جاوداں چل رہا ہے
کنواں چل رہا ہے

وقت کا سیلِ رواں وجود وعدم کا ذمہ دار ہے۔حالات وواقعات اشیاء ومظاہرات اسی کی گردش سے رونما ہوتے ہیں،مجید امجد نے حالات کے مدوجزر اوراشیاء ومظاہرات کی نموکواسی زاویۂ نگاہ سے دیکھا انھوں نے انسانی دکھ درد کو وقت کے تسلسل کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔بنتی بگڑتی زندگی اور حیات وکائنات کے مختلف مسائل اور تغیرات وتبدیلیاں الغرض کوئی بھی چیز اس کے اثر سے محفوظ نہیں،شاعرانسانی دکھ درد کے ختم ہوجانے کے لیے مستقبل پرنظر جماتا ہے اورامید کرتا ہے کہ وقت کے ساتھ یہ درد وغم بھی دور ہوجائیں گے جو غم اس کی ذات اور پوری انسانیت سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ع،سیل زماں کے ایک تھپیڑے کی دیر ہے(درس ایام)لیکن حال کے ہرایک لمحہ کی خوشیوں کو محفوظ کر لینے کی کوشش زیادہ روشن نظر آتی ہے۔اس ایک لمحے کی خوشی سے وہ خود کو پوری طرح سرشار کر لینا چاہتے ہیں:

طلوع وغروب مہ ومہر کے جاودانی تسلسل کی دوچار کڑیاں
یہ کچھ تھرتھراتے اجالوں کا روماں، یہ کچھ سنسناتے اندھیروں کا
حصہ
یہ جو کچھ کہ میرے زمانے میں ہے اور یہ جو کچھ کہ اس کے زمانے
میں میں ہوں
یہی میرا حصہ۔ ازل سے ابد کے خزانوں سے ہے بس یہی
میرا حصہ
(امروز)

مجید امجد نے زندگی کے مختلف مسائل خواہ وہ سماجی ہوں یا اقتصادی، داخلی ہوں یا خارجی ان کا ادراک اپنی ذات کے حوالے سے

کیا۔انسانی وجود کے کرب خارجی اشیاء و مظاہرات سے محرومی، داخلی و خارجی شکست و ریخت بے بسی و محرومی غرضیکہ مسائل کے انبوہ میں اس کی اپنی ذات ہوتی ہے۔نشاط و غم یاس و امید کا سلسلہ ان کی ذات سے ہم کنار ہوتا ہے اور اسی احساس کے ساتھ شاعر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔''شب رفتہ'' کے بعد کی شاعری میں ذات کے حوالے سے حیات و کائنات پر نظر ڈالنے کا رجحان زیادہ قوی ہے۔اور اپنی ذات کی محرومی سے زندگی کے المیے کو پیش کیا ہے۔زمینیا، بارکس، دوام، میرے خدا میرے دل، زندگی اے زندگی اور یہ انسان، ڈھلتے اندھیروں میں، سدا زمانوں کے اندر وغیرہ نظمیں ان کے کلام میں موجود ہیں۔نظم دوام کا یہ ٹکڑا ملاحظہ ہو:

کہیں اس کھولتے لاوے میں بل کھاتے جہانوں کے
سیہ پشتے سے اوجھل ادھ کھلی کھڑکی
کوئی دم توڑتی صدیوں کے گرتے چوکھٹے سے جھانکتا چہرہ
زمینوں آسمانوں کی دھکتی گرد سے لتھڑے خنک ہونٹوں سے یوں پیوست ہے اب بھی
ابھی جیسے سحر بستی پہ جلتی دھوپ کی مایا انڈیلے گی
گلی جاگے گی، آنگن ہمہمائیں گے
کوئی نیندوں لدی پلکوں کے سنگ اٹھ کر کہے گا۔رات کتنی تیز تھی آندھی (دوام)

مجید امجد کے یہاں مختلف النوع تجربوں اور موضوعات کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔انھوں نے اپنے تجربات، مشاہدات، احساسات اور جذبات کے اظہار کے لیے حسب ضرورت ہیئت اور اسلوب کا پیمانہ اختیار کیا۔جیسا کہ عام طور پر جدید شاعروں کے یہاں ہیئت و اسلوب میں تجربے اور اپنی انفرادیت قائم کرنے کا رجحان نظر آتا ہے اور بعض کے یہاں یہ کوشش محض شعبدہ بازی کے مترادف نظر آتی ہے۔لیکن مجید امجد کے یہاں اس طرح کی شدت پسندی یا شاعری میں ہیئت پرستی کا رجحان نہیں ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے یہاں روایتی نظم کی ہیئت ہے یا اسلوب کا گھسا پٹا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ ان کے یہاں ہیئتی تجربوں سے ایسی گہری دلچسپی نہیں ہے جیسے ان کے معاصرین راشدؔ اور میراجیؔ کے یہاں ہے۔ ہیئت و اسلوب کی سطح پر مجید امجد کے یہاں بھی تجربے دیکھنے کو ملتے ہیں لیکن ان کے یہاں یہ رویّہ شدت اختیار نہیں کرتا۔ہمیں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ راشد اور میراجی حلقے سے وابستہ تھے۔ حلقے کے شعرا کے یہاں ہیئت و اسلوب کے تجربے کا رجحان بہر حال قوی نظر آتا ہے۔ چونکہ مجید امجد حلقۂ ارباب ذوق سے وابستہ نہیں تھے اس لیے بھی ان کے یہاں یہ رجحان نہیں ملتا۔

مجید امجد نے پابند معریٰ اور آزاد تینوں ہیئتوں کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا۔لیکن ان کے کلام کا بڑا حصہ آزاد نظم کی ہیئت میں ہے۔ان کی آزاد نظموں پر میراجی اور اختر الایمان کا اثر نمایا ہے۔میراجی اور اختر الایمان کی طرح خیال کے اعتبار سے مصرع ترتیب پاتے ہیں جو کہیں کہیں پیرگراف کی شکل اور پہلے مصرع کا خیال دوسرے مصرع میں پورا ہوتا ہے۔ان کے یہاں گیتوں کا لہجہ بھی موجود ہے۔ مجید امجد کے یہاں راشد کی طرح مشکل لفظیات بھی ہے جس پر فارسی کا غلبہ ہے۔اور اختر الایمان کی طرح عام بول چال اور نامانوس لفظیات کا بھی استعمال ہے۔لیکن اس کے باوجود ان کے یہان زبان و بیان میں انفرادیت قائم ہے۔انھوں نے نئے اسالیب بھی وضع کیے اور نئی لفظیات کو اپنی شاعری میں برتا ان کے یہاں نظم کی تکنیک میں تجربے بھی کیے گئے ہیں۔ جہان قیصر جم، طلوع فرض، بس سٹینڈ، وغیرہ نظموں میں نئی تکنیک دیکھی جاسکتی ہے۔مجید امجد کے یہاں استعارات اور علامات کا خوبصورت استعمال بھی نظر آتا ہے۔لیکن ان کی نظمیں شعری لوازمات سے بوجھل نہیں ہوئیں بلکہ ان کے استعمال میں بڑے احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔

مجید امجد کے یہاں داخلی اور خارجی، فکری اور فنی سطح پر توازن قائم ہے۔ان کی شاعری کا موضوع سیاسی ہو یا سماجی وہ کسی سمت حد سے آگے نہیں بڑھتے۔ مجید امجد زندگی کی تمام ترنیرنگیوں اور اس کے مظاہر پر گہری نظر رکھتے ہیں اور پھر اسے فن کے سانچے میں ڈھالتے ہیں۔ چنانچہ ان کی شاعری کا مطالعہ سچے شعری اظہار کے زاویے سے کیا جانا چاہیے۔

حواشی:

۱۔ وزیر آغا: مجید امجد کی داستان محبت، ص۵۱، لاہور ۱۹۹۱ء
۲۔ وزیر آغا: مجید امجد کی داستان محبت، ص۴۰، لاہور ۱۹۹۱ء

☆☆☆